© rasailojaraid.com

علاماتِ ایمان اور ان کی حلاوت

درسِ حدیث

مولانا عبداللطیف مدنی

حَدَّثَنَا قُتَیْبَةُ اللَّیْثُ عَنْ اَبِی الْهَادِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اِبْرَاهِیْمَ بْنِ الْحَارِثِ عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدٍ عَنِ الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ اَنَّه' سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ ذَاقَ طَعْمَ الْاِیْمَانِ مَنْ رَضِیَ بِا للّٰهِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ نَبِیًّا هٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ .

ترجمہ: ''حضرت عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اس شخص نے ایمان کا مزہ چکھا جو راضی ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ کے رب ہونے پر اور اسلام کے دین ہونے پر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے پر۔''

تشریح: اللہ تعالیٰ کے رب ہونے پر راضی ہونے کی علامت یہ ہے کہ اس کی تقدیر پر راضی رہے۔ رنج و تکلیف اور مصیبت میں اس کا گلہ شکوہ نہ کرے اور دین اسلام پر راضی ہونے کی علامت یہ ہے کہ اسلام کے احکام پر مضبوطی سے عمل پیرا ہو۔ کفر و جاہلیت کے رسم و رواج کے قریب نہ بھٹکے اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیغمبری پر راضی ہونے کی پہچان یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو اختیار کرے اور بدعت سے نفرت رکھنے اور جس کو یہ بات حاصل نہیں' اسے ایمان کے مزے کی خبر نہیں۔

حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِیْ عُمَرَ نَا عَبْدُ الْوَهَّابِ الثَّقَفِیُّ عَنْ اَیُّوْبَ عَنْ اَبِیْ قِلَابَةَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلَاثٌ مَّنْ کُنَّ فِیْهِ وَجَدَ بِهِنَّ طَعْمَ الْاِیْمَانِ مَنْ کَانَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُه' اَحَبَّ اِلَیْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا وَاَنْ یُحِبَّ الْمَرْءَ لَا یُحِبُّه' اِلَّا لِلّٰهِ وَاَنْ یَکْرَهَ اَنْ یَّعُوْدَ فِی الْکُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْقَذَهُ اللّٰهُ مِنْهُ کَمَا یَکْرَهُ اَنْ یُّقْذَفَ فِی النَّارِ هٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ وَقَدْ رَوَاهُ قَتَادَةُ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص میں تین خصلتیں ہوں گی وہ ایمان کی حلاوت (مزہ) پائے گا۔ ایک یہ کہ اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی محبت سب سے زیادہ ہو، دوسرا یہ کہ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے کسی سے دوستی رکھے، تیسرا یہ کہ اس کو دوبارہ کافر بننا اتنا ناگوار ہو جیسے آگ میں ڈالا جانا۔

تشریح: حدیث شریف میں تین چیزوں کا ذکر ہے۔ ان میں سے پہلی یہ ہے کہ اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت دوسری تمام چیزوں کی محبت پر غالب ہو۔ اللہ تعالیٰ کی محبت تو اس لیے کہ وہی خالق و مالک و منعم حقیقی ہے نیز محبت کے جتنے اسباب ہیں، جمال، کمال، احسان اور قرب سب اللہ میں پورے طور پر موجود ہیں اور سب سے زیادہ اللہ میں جمع ہیں۔ جمال، کمال اور احسان کا کامِ واکمل ہونا تو ظاہر ہے محتاجِ بیان نہیں رہا۔ قرب تو اس کے لیے قرآن کریم کی شہادت کافی ہے۔

نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ (سورۃ ق)۔ ''ہم شہ رگ سے زیادہ قریب ہیں۔''

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

هُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ (سورۃ حدید)۔ ''اور وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں بھی تم ہو۔''

وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَا تُبْصِرُوْن (سورۃ واقعہ)

''اور ہم اس کے زیادہ قریب ہیں تمہاری نسبت لیکن تم نہیں دیکھتے۔''

اللہ کے بہت قریب ہونے کا مطلب:

اللہ کے بہت قریب ہونے کا مطلب حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے ایک مثال دے کر سمجھایا ہے کہ مثلاً یہ دھوپ ہے جس میں گرمی بھی ہے اور روشنی بھی ہیں۔ فرض کرو اگر یہ دھوپ خود اپنی حقیقت کو معلوم کرنا چاہے اور اس سلسلہ میں حرکتِ فکر یہ کرے تو اس حرکتِ فکر یہ میں سب سے پہلے شمس پڑے گا اور اس کو یہ سمجھنا ہوگا کہ میں ایک حصہ اور ٹکڑا ہوں۔ اس نور کا جو سورج کی ٹکیہ میں بھرا ہوا ہے تو ظاہر ہے کہ شمس کی حقیقت معلوم کرنے کے بعد وہ اپنی حقیقت معلوم کرسکتی ہے اور حرکتِ فکر یہ میں شمس پہلے آیا اور اس کو اپنی حقیقت بعد میں آئے گی۔ معلوم ہوا کہ شمس دھوپ سے اس کی اپنی ذات وحقیقت سے بھی زیادہ قریب ہے۔ کیوں کہ حرکت میں جو چیز پہلے آئے وہی قریب ہے اور جو بعد میں آئے وہی بعید ہے۔ مثلاً تم ایک جگہ سے حرکت کر کے دور کے مقام پر چلنا چاہتے ہو۔ اس حرکت میں جو مقامات تم کو پیش آئیں گے وہ مقامات تمہارے زیادہ قریب ہیں بہ نسبت اس مقام کے جہاں تم جانا چاہتے ہو۔ فرق یہ ہے کہ اس میں حرکت عینی ہے اور اس میں حرکتِ فکر یہ تھی۔ کلی طور پر اتنی بات سمجھ لیں کہ معلول اگر اپنی حقیقت کو سمجھنا چاہے اور حرکتِ فکر یہ کرے تو اس حرکت میں پہلے علّت آئے گی۔ اس کے بعد معلول اپنے نفس اور حقیقت کو سمجھ سکے گا۔ پس اگر ممکنات مثلاً ہم اپنی حقیقت کو سمجھنا چاہیں گے تو پہلے اللہ تعالیٰ کی ہستی کو معلوم کرنا پڑے گا۔ کیوں کہ ہم معلول ہیں اور وہ علت ہے۔ ہمارا وجود ایک پرتو اور شعبہ ہے۔ اس کے وجود کا اور میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ حرکت میں جو پہلے آئے وہ قریب ہے اور جو بعد میں آئے وہ بعید ہے تو اللہ تعالیٰ ہمارے نفس اور ہماری حقیقت کی بہ نسبت ہم سے زیادہ قریب ہوا اور اسی طرز وطریقہ پر النبی اولی (ای اقرب) بالمومنین من انفسھم (احزاب) کہا جاسکتا ہے۔ کیوں کہ مومن من حیث ہو مومن۔ اگر اپنی حقیقت کو سمجھنے کے لیے حرکتِ فکری کرے تو اپنی ایمانی ہستی سے پیشتر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت حاصل کرنی پڑے گی۔ اس اعتبار سے کہہ سکتے ہیں کہ نبی کا وجود خود ہماری ہستی سے بھی زیادہ ہم سے نزدیک ہے۔

ان تمام چیزوں میں سے دوسری چیز یہ ہے کہ جس شخص سے بھی محبت رکھے محض اللہ تعالیٰ کے لیے رکھے یعنی نہ تو دنیوی جلب منفعت مقصود ہو اور دفع مضرت۔ مثلاً کوئی شخص اسباب محبت میں سے (جمال، کمال، احسان اور قرب) کسی وصف سے بظاہر متصف نہ ہو لیکن متقی اور متبع شریعت ہو۔ اسی وجہ سے اس کے ساتھ محبت ہو تو یہ محبت خالص اللہ کے لیے ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ پہلے جملہ میں اللہ تعالیٰ سے محبت اور اس سے تعلق کا بیان تھا۔ اور دوسرے جملہ میں مخلوق سے تعلق اور محبت کا ذکر ہے۔ گویا یوں فرمایا گیا کہ کامل مومن وہ ہے جو ان تمام تعلقات کا حق ادا کرے۔ حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد کی ادائیگی کا بھی اہتمام کرے۔ جب انسان میں یہ دونوں وصف کامل ہوجائیں گے تو لازماً اسے ہر اس چیز سے نفرت ہوگی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جواللہ ورسول اور صلحا ومومنین کے نزدیک مبغوض ہے۔اس لیے اسے دوبارہ کافر بننا اتنا ناگوار ہونا چاہیے جتنا آگ میں ڈالا جانا بلکہ اس سے زیادہ۔اس لیے کہ کسی سے محبت اس کے دشمن سے بغض کو لازم ہے اور یہ تیسری چیز کا بیان ہے۔

حلاوتِ ایمان سے کیا مراد ہے؟

حلاوتِ حسی یا حلاوتِ معنوی؟ اکثر شُرّاح فرماتے ہیں کہ حلاوت معنوی وقلبی مراد ہے کیونکہ ایمان کوئی حسی چیز نہیں ہے کہ اس کی حلاوت مراد ہو یعنی طاعت وعبادت میں دل کو شیرینی جیسی حلاوت محسوس ہو جیسا کہ قطب الاقطاب حضرت گنگوہیؒ نے اپنے ایک مکتوب میں لکھا جو حضرت نے اپنے شیخ حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ کی خدمت میں لکھا تھا کہ بندہ کو بحمداللہ تین چیزیں حاصل ہیں جو محض اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے۔پہلی چیز ہے کہ اطراف واکناف میں دوسو سے زائد طالب علم مجھ سے حدیث شریف پڑھ کر اپنی اپنی جگہ درس دے رہے ہیں۔دوسری چیز یہ ہے کہ امور شرعیہ امور طبعیہ کی مانند بن گئے ہیں یعنی امور شرعیہ کو چھوڑنے میں ویسی ہی تکلیف محسوس ہوتی ہے جیسی کہ بھوک، پیاس اور دھوپ سے طبعاً تکلیف ہوتی ہے اور امور شرعیہ کی طرف ویسی ہی رغبت ہوتی ہے۔جیسی کہ انسان کو بھوک کے وقت روٹی کی طرف اور پیاس کے وقت ٹھنڈے پانی کی طرف طبعاً میلان ہوتا ہے۔تیسری چیز یہ کہ مادح اور ذام (یعنی تعریف اور مذمت کرنے والے) دونوں برابر معلوم ہوتے ہیں۔یہ دوسری چیز جو حضرت گنگوہیؒ نے اپنے اس مکتوب میں لکھی ہے وہی دراصل طاعات سے لذت کا حصول ہے۔جیسا کہ امام نووی اور دوسرے محدثین فرماتے ہیں کہ حلاوتِ معنوی مراد ہے۔یعنی طاعات میں لذت محسوس ہونا اور اللہ اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضامندی کے لیے بڑی سے بڑی تکالیف کو بخوشی برداشت کرنا اور اللہ ورسول کی خوشنودی کو تمام دنیا کے مال ومتاع پر ترجیح دینا۔

بھجة النفوس شرح منتخب بخاری میں محدث کبیر عارف باللہ شیخ ابن ابی جمرہؒ فرماتے ہیں کہ سادات صوفیہ نے حلاوت حسی مراد لی ہے اور فرماتے ہیں کہ سادات صوفیہ کی تحقیق ہی اس مسئلہ میں درست ہے۔کیوں کہ صوفیہ نے حدیث کے لفظ کو بغیر تامل کے اپنے ظاہر پر رکھا اور یہ بھی فرمایا کہ ہر بات ایسی ہے کہ اس کا ادراک وہی کر سکتے ہیں جو اس مقام تک پہنچے ہوں۔لہٰذا اگر تمہیں محسوس نہیں ہوتی تو جنھیں محسوس ہوتی ہے۔ان کی بات کو تسلیم کرو اور یہ دعویٰ مناسب نہیں کہ حدیث میں وہ مرتبہ یعنی حلاوت حسی مراد نہیں۔کیونکہ ”ذوق ایں بادہ ندانی بخدا تانہ چشی“

اور شاعر نے بھی خوب کہا ہے:

اذلم ترا الھلال فسلم
لاناس رأوہ بالابصار

جب چاند تمھیں نظر نہ آئے تو جن لوگوں نے اسے آنکھوں سے دیکھا ہے۔ان کے کہنے سے مان لو۔پھر فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام مثلاً حضرت بلال، حضرت عمار، حضرت خبیب اور سلف صالحین کے حالات شاہدِ عدل ہیں کہ وہ حلاوتِ حسی سے محظوظ ومشرف ہوئے۔(نصر الباری تیغر یسیر)

© rasailojaraid.com